ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر طاہرہ انعام ❋

تلامذۂ غالب کی نعتیہ شاعری

Naat by Ghalib's Tutees

By Dr. *Tahira Inam, Asst. Prof., Dept. of Urdu, Govt. Associate College (W), Ghulam Muhammadabad, Faisalabad.*

ABSTRACT

This Paper aims to discuss the influences of classic urdu poetry in the last years of 19th century.Especially it is discussed in the paper that how the learners were impressed by Mirza Ghalib and then how they depicted this learning in Prophetic literature. It concludes that Naat is a big source of resumption.It retrieves the religious and literary atmosphere of a typical era. stepwise study of Naat literature can help us to snap back the hidden realities and aspects of society.It is clear from perusing the Naat poetry of Ghalib's tutees that every poet has distinguish way of expression. However, main traits remain same either it is naat or other poetic expressions.So, they show same intellect in Naat which they express poetry in general However All of them didnt have same perception of Ghalib poetry.

Keywords: Urdu Naat, Ghalib, Talamza-e-Ghalib, Naatia Qaseeda, Naatia Ghazal, Masnawi, Rubai.

کلاسیک اُردو شعرا کی ایک دَین یہ بھی ہے کہ ان سے شرفِ تلمذ پا کر کئی اہلِ سخن اپنے استاد شعرا کے علم وفن کو تسلسل بخشتے رہے۔ غالبؔ جیسے نابغۂ روزگار شاعر کے تلامذہ کا احوال ممتاز محقق مالک رام نے بقدرِ غایت ریاضت کے بعد جمع کیا اور ''تلامذۂ غالب'' منصۂ شہود میں آئی۔ مرزا غالبؔ کی نعتیہ شاعر بیشتر فارسی میں ہے لیکن ان کے تلامذہ میں سے اکثر نے اُردو میں نعتیہ کلام کہا ہے۔ ان تلامذہ کے میسر کلام میں موجود نعتیہ عناصر کا جائزہ

❋ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین، غلام محمد آباد، فیصل آباد۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس مقالے کا موضوع ہے۔

نواب سیّد محمد رضا دہلوی ملقب بہ احمد مرزا خان آگاہ ۱۸۳۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ غدر کے بعد جے پور میں سکونت پذیر ہوئے۔ مزاج کی سادگی اور وضع کی پابندی نے شغلِ سخن کو ذریعۂ شہرت بنانے کی اجازت نہیں دی۔[(۱)] مالک رام آگاہ کے متعلق لکھتے ہیں:

آگاہ بڑے پُرگو شاعر تھے۔ ان کے دو دیوان تھے۔ ایک غزلیات کا، دوسرا نعتیہ کلام کا۔ دونوں قلمی نسخے ان کے پَرپوتے سیّد کرّار میرزا، کرّار نوری (کراچی) کے پاس تھے۔ نعتیہ دیوان ایک صاحب نے ان سے لے کر امریکا پہنچا دیا۔[(۲)]

مولوی محمد حبیب الرحمٰن انصاری، بیدؔل سہارن پوری کے شغفِ نعت کا بھی ذکر کیا ہے مگر ان کا کلام مطبوعہ نہیں۔[(۳)]

مولانا عبدالسمیع بیدؔل، رامپور کے رہنے والے تھے خواجہ احمد فاروقی نے شیخ بشیر الدین کے حوالے سے لکھا ہے کہ بیدؔل نے ۱۸۵۳ء میں مرزا غالبؔ سے تلمذ حاصل کیا لیکن ''مشاغلِ باطنی'' میں اتنا انہاک تھا کہ کچھ عرصہ بعد عاشقانہ مضامین کے بجائے نعت گوئی کی جانب توجہ فرمائی۔[(۴)] مولانا بیدؔل کی تصانیف میں سے ''نورِ ایمان'' نعت شریف اور استحسان محفلِ میلاد میں ہے۔ دیباچہ نثر میں اور باقی منظوم ہے۔ ''سلسبیل فی مولد ہادی السبیل'' نعتیہ قصیدہ ہے۔ ''جوہرِ لطیف'' نعتیہ مثنوی ہے، ''بہارِ جنت'' میلاد شریف ہے۔ یہ نظم و نثر دونوں پر مشتمل ہے۔[(۵)]

لے کے بیدؔل خدا کا اوّل نام — پھر پیمبر پہ اپنے بھیج سلام
آل و اصحاب ہیں جو اہلِ ارشاد — رضی اللہ سے کر ان کو شاد
پھر کتابیں تُو لے کے با تنقیح — عتبر معتبر ، صحیح صحیح
مولد اپنے نبی کا کر مرقوم — وہ نبی جس کی ہے جہان میں دھوم
شہرہ عالم میں ہے تمام ان کا — عرش سے فرش تک ہے نام ان کا
بیدل اب شوق میں بڑھا نہ کلام — تجھ کو لکھنا ہے ذکرِ خیر الانام[(۶)]

مولوی محمد حسین تمنؔا مراد آبادی، مشہورِ شیخ طریقت شاہ عبدالغنی، مجددی سے نقش بندی سلسلے میں بیعت تھے۔ اپنا تمام تر وقت تذکرۂ عبادت میں گزارتے تھے۔ تمنؔا مراد آبادی کے متعلق ڈاکٹر ایوب قادری لکھتے ہیں:

تمنؔا کی تمام شاعری مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عبارت ہے، وہ نعت گوئی میں ایک

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ سیدھے سادھے الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ہندی الفاظ، سادہ تراکیب اور سامنے کے تشبیہات اور استعارے استعمال کرتے ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرامؓ، مدینہ منورہ اور متعلقات ذاتِ اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان کے قلب و روح کو ایک خاص کیف حاصل ہوتا ہے۔[۷]

تمنّا کے عہد کے کلامی مباحث میں نظیر، امتناعِ نظیر، حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور علم غیب کا مسئلہ شامل ہے اس سلسلے میں تمنّا کے اشعار یہ ہیں:

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

جب دوستوں نے ان کو حیات النبیؐ کہا
جیتے ہی جی تمام بداندیش مر گئے

علمِ غیب:

ازل کا ماجرا روشن ابد کا حال روشن ہے
نہ پوچھو علم ان اللہ کے شاگرد ارشد کا

ہندی الفاظ کا استعمال:

کیا وصف لکھوں فرش حریمِ نبوی کا — واں اطلسِ گردوں ہے ادھوتر کے برابر

مشہور نام ہند میں جس کا اکاس ہے — لنگر کا شاہِ دیں کے وہ چھوٹا سا طاس ہے

وہ رحمتِ خُدا ہے نہ ہو اُن سے نا اُمید — مومن نہیں جو رحمتِ حق سے نراس ہے[۸]

تمنّا کے مجموعۂ قصائد ''قصائدِ تمنّا'' میں تین قصیدے اپنے مرشد شاہ عبدالغنی اور بقیہ تمام قصائد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں ہیں۔ یہ قصائد فارسی میں ہیں۔[۹]

خواجہ الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء کے قریب پانی پت میں پیدا ہوئے کچھ عرصہ حضرت شیفتہ سے اصلاح لینے کے بعد غالب کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے۔ اُردو، عربی، فارسی، تینوں میں مشقِ سخن کیا ہے۔ غالبؔ کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

وفات پر حالی کا مرثیہ بہت مقبول ہوا۔ حالی نے اپنے استاد کی سوانح بھی لکھی ہے۔ شاگردانہ خصوصیت اور عزیز رکھنے کے علاوہ بھی ان کی سخن فہمی و سخن سنجی اور مدارجِ علمی کی وجہ سے کسی قدر ان کا لحاظ و ادب بھی کیا کرتے تھے۔ ۱۹۰۴ء میں گورنمنٹ عالیہ نے حالی کو شمس العلما کا خطاب دیا۔[۱۰]

مولانا الطاف حسین حالیؔ کے نعتیہ قصائد میں عالمانہ رنگ ہے۔ تصنّع اور مبالغہ سے بھی پاک ہیں لیکن حالیؔ کا کمال یہ ہے کہ قصیدے کی فضا میں جو شکوہ لازم ہے وہ اپنی سادگی بیان سے بھی اسے قائم رکھتے ہیں۔ ان کے راست فکر نے تخلیقی لہجے کو یہ اعجاز بخشا ہے۔

حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لیے نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت
کیا تھا عزم، اولوا العزم نے کہاں کے لیے ارادہ عرش تک اک آن میں پہنچنے کا
ہو میزبان خدا جب کہ میہماں کے لیے[۱۱] کرم کا دیکھیے دامن کہاں تلک ہو فراخ

مسدس حالی میں نعتیہ اشعار گویا بالترتیب بیان ہوتی ہوئی تاریخ کا حصہ ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کی حالت کے بعد ولادت و بعثت کا ذکر آتا ہے۔ دیباچے میں بیان کیے گئے مقصد و محرک کے مطابق، حقائق کو سمیٹتے ہوئے، ہر عہد کا نقشہ کھینچتے ہوئے آگے بڑھ جانا حالی کو مقصود ہے۔ اس سُرعت میں بھی یہ نشان مل جاتے ہیں کہ وہ صنائع بدائع سے نابلد نہیں۔

کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت
کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت نہ چٹکی مگر چاندنی ایک مدّت
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے[۱۲] یہ چالیسواں سال لطفِ خدا سے

ہندوستانی مسلمانوں کی بے توازن اور مختلف مذہبی رسوم سے سرسیّد کے ساتھیوں میں جو بے زاری اور اس کے علاوہ اصلاح کا جذبہ نمودار ہوا اس کے تحت مسدّس کے نعتیہ اشعار میں آپ ﷺ کے سماجی اخلاق و کردار کی کاملیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ حالیؔ کی نعت گوئی جدید نعتیہ ادب کا شاخسانہ ٹھہری، نہ صرف سیرتِ پاک ﷺ کے پرچار بلکہ استغاثہ واستمداد کی روایت کے بانیوں میں بھی حالیؔ کا نام رقم ہوا۔ مسدّس کے آخر میں عرضِ حال، کے عنوان سے اُمت کا نوحہ بیان کیا ہے:

اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے[۱۳] جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے

خواجہ قمر الدین راقم رشتے میں غالبؔ کے بھتیجے تھے، کافی عرصے تک خاندانی اعزاز کے لحاظ سے گورنمنٹ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

انگلشیہ کے پنشن خوار رہے۔ دہلی چھوڑ کر ریاست جے پور میں جارہے تھے۔ دیوان موسوم بہ ''نغمۂ اُردو'' ۱۸۹۸ء میں چھپا۔ طبیعت میں مضمون آفرینی، زبان و بیان میں سلاست، بندش میں چستی اور ترکیب کی استواری ان کے اشعار کے خاص جوہر ہیں۔ ستر برس سے زیادہ عمر پائی۔ (۱۴)

میرزا قمر الدین خان راقمؔ دہلوی کے کلیات اُردو کی ابتدا میں غزل حمدیہ اور غزل دو تصوف کے بعد نعتیہ غزل ہے ان میں راقم کا اندازِ نعت کیف آور ہے، وجد میں جھومنے کا سا انداز ہے۔ مثلاً:

ثنا میں تر زباں ہو منھ سے میرے پھول جھڑتے ہیں بنے گل دستہ ہر گل طاقِ ایوانِ محمد کا
بڑا احساں ہو یا رب تم اگر لوح و قلم دے دو بیاں مجھ سے سنو پھر رفعتِ شانِ محمد کا (۱۵)

راقم کا ایک نعتیہ مجموعہ ''مرقعِ نعت'' ہے۔ ''غزلیات نعت شریف'' کے عنوان سے ۲۴ نعتیں شامل ہیں۔ اس کے بعد حضرت محبوب سبحانی شاہ نظام اولیا کی ایک منقبت شامل ہے۔ ''تضمین بر غزلِ خود'' کے عنوان سے راقم نے اپنی غزل پر تضمین کی ہے۔ آخری کلام ''بیانِ معراجِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' ہے۔ یہ گویا غزل کی ہیئت میں معراج نامہ ہے۔ راقم کے نعتیہ کلام میں وارفتگی اور حسنِ ادا ہے۔ غالب کی زمینیں بھی ملتی ہیں۔ الفاظ و تراکیب پر بھی استاد کا عکس ہے۔ بارہا نعت میں متصوفانہ رنگ عود کر آتا ہے۔ معارف کو شاعرانہ آہنگ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کئی اشعار ندرت کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ نمونہ کلام دیکھیے:

رہبر ملے، ملے نہ ملے، ہم کو یاد ہے اک اور سیدھا راستہ دارالسلام کا (۱۶)

کھلتے نہیں اسرار، حقیقت جو نہ ہوتی وہ مہر بدوشِ قدِ دل جُوے محمد (۱۷)

صفاتِ محمد خدا جانتا ہے نہ میرے لبِ مدعا جانتے ہیں
یہ محبوب ایزد وہ محبوبِ احمدؐ دو پیکر بہم آشنا جانتے ہیں (۱۸)

آئینۂ جہان پہ صیقل سی ہو گئی گیتی پہ رنگِ کفر کا باقی نشاں نہیں (۱۹)

کس شان میں شان اپنی دکھائی ہے نبیؐ نے یکتائی کی انوار میں یکتا نسبی نے (۲۰)

نواب رضوان علی خان صاحب، رئیس اعظم مراد آباد عرف محمود اختر، آپ عضد الدولہ نواب محمد عظمت اللہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

خان دلیر جنگ ناظم صوبہ روہیل کھنڈ زماں شاہی کے خاندان سے ہیں۔ مؤلف خمخانۂ جاوید (جلد سوم) لکھتے ہیں:

نعتیہ کلام کہنے کا عرصے سے شوق ہے اور عاشقانہ اشعار کی طرف توجہ کم ہے اس صنفِ خاص میں آپ کا کلام قابلِ ستائش ہے اور حضرت امیر، نواب فصیح الملک مرزا داغ اور حضرت جلال و محسن جیسے استادانِ معلم الثبوت نے آپ کی مشاقی اور خوش فکری کی داد دی ہے۔ آپ کا بیان ہے کہ مرزا غالب مرحوم سے زمانِ قیامِ رامپور میں آپ کو نسبتِ تلمذ حاصل ہوئی تھی... پچاس ساٹھ جزو کے دو دیوان اور متعدد مختلف نظمیں آپ کی تصنیف سے موجود ہیں۔ (۲۱)

مالک رام نے ان کی ایک مشہور نعت سے متعلق کچھ معلومات اپنی کتاب میں فراہم کی ہیں جنھیں یہاں دہرائے بغیر نعت کے چند اشعار دیے جاتے ہیں:

اترائیں نگاہیں جو پڑیں سُوئے محمدؐ	دل ٹوٹ گیا دیکھتے ہی رُوئے محمدؐ
ہر ماہ گھٹا بڑھ کے فلک پہ مہِ انور	ابروئے محمدؐ ہے کبھی رُوئے محمد
موسیٰ کی طرح برقِ تجلّی کو غش آئے	بے پردہ اگر ہو رُخِ نیکوئے محمدؐ
پژمردہ ہوں یا ربّ نہ گُلِ باغِ محبت	ان پھولوں سے آتی ہے مجھے بوئے محمدؐ (۲۲)

حکیم فصیح الدین رنج کے مختصر مجموعے ''گلشنِ نعت'' کا ذکر بھی مالک رام نے کیا ہے مگر یہ مجموعہ کمیاب ہے۔ (۲۳) ''خم خانۂ جاوید'' میں بھی لکھا ہے کہ میرٹھ میں ان کی شاعری کا اچھا چرچا تھا مگر کلام باوجود تلاش نہ ملا۔ (۲۴)

سیّد محمد زکریا خان زکیؔ، دہلی کے ایک موقر خاندان سادات کے رکن تھے۔ شاعری ان کی آبائی میراث تھی ان کے والد سیّد محمود خان مرحوم، صاحب دیوان اور ان کے نانا نواب اعظم الدولہ میر محمد خان صاحب سرور، صاحبِ دیوان و مصنف تذکرۂ شعرائے اُردو تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۳۰ء میں شاہ جہاں آباد میں ہوئی۔ لالہ سری رام کے بقول:

میرزا غالب کے شاگردوں میں حضرت زکیؔ سے زیادہ کسی نے ان کا رنگ نہیں برتا اور ان سے زیادہ کوئی ان کے رنگ کی تقلید میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرزائے مرحوم بھی ان سے بہت خوش تھے۔ چنانچہ چند سطور سندِ شاعری انھیں لکھ کر عنایت کی ہیں جس کی نقل دیوانِ زکی کے دیباچے میں بھی درج ہے۔ (۲۵)

نواب سیّد محمد زکریا خان رضوی زکی تخلص کرتے تھے۔ سرِ دیوان دو حمدیہ غزلیں ہیں اور تیسری غزل نعتیہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔جس کے آغاز میں اپنے عقائد کو یوں بیان کرتے ہیں:

زکی آئینہ توحید رُوے مصطفیٰؐ دیکھا — اس آئینہ میں رنگ جلوۂ نُور خدا دیکھا
غلافِ کعبہ میں جس نور کا لمعہ چھپا دیکھا — مدینہ میں وہی چشمِ یقیں نے برملا دیکھا
طلسمِ حسنِ لاثانی نبیؐ کی شکل و صورت تھی — جمال عالم آرا دیکھ کر کیا کہیے کیا دیکھا[۲۶]

دیگر اشعار میں خلق اور انبیاء میں آپ ﷺ کا خاص مقام، اللہ کی جانب سے آپ ﷺ کو عطا کردہ اعزازات اور آپ ﷺ کے لطف و رحمت کا ذکر کیا ہے۔ زکؔی کے غیر نعتیہ کلام میں بھی اسرار و معارف کا ذکر پے بہ پے ملتا ہے۔ استاد کی طبعِ تفکر و تفلسف پسند کا اثر ان کے کلام میں دکھائی دیتا ہے۔ ایسے کلام میں نعتیہ اشعار بھی در آتے ہیں جس کی چند مثالیں یہ ہیں:

زکی لبریز تھا شوقِ زیارت سے دمِ آخر — زباں پر یا محمدؐ اور آنکھوں میں مدینہ تھا[۲۷]

ایمان ہے ترے رُخِ روشن کو دیکھنا — پیشِ نظر ہے معجزہ ماہِ دو نیم کا[۲۸]

میرزا قربان علی بیگ سالک، حیدرآباد میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی شاعری کا وطن دہلی ہے۔ زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ سب سے پہلے مومن کو اپنا کلام دکھایا پھر مرزا غالب کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہوئے۔ زکؔی، انورؔ، مجروؔح اور حالؔی کے ہم مشاعرہ تھے طبیعت جدت پسند تھی غالب کو ان سے عزیز داری کا برتاؤ تھا۔ حیدرآباد دکن میں بھی بہت دیر قیام رہا۔ وہیں ۱۸۷۵ء میں وفات پائی۔[۲۹]

قربان علی بیگ سالک کے کلیات میں ایک قصیدہ ''اظہارِ ناموافقت روزگار و چارہ خواستن بر پردۂ نعت جنابِ سرورِ کائنات'' کے عنوان سے ہے۔ تشبیب میں اسی ناموافقتِ روزگار کا ذکر کیا گیا ہے اور کئی اشعار رقم کیے ہیں مدح کے اشعار میں آنحضور ﷺ کے مرتبے کو انبیاء اور شاہانِ زمانہ اور تمام موجوداتِ عالم سے بلند ترین قرار دیا ہے۔ الفاظ اور مضامین میں قصیدہ کی روایتی ندرت نظر آتی ہے:

کیا اسے دوں زمینیوں سے مثال — جس کے خدّام ہوں سپہر و سریر[۳۰]

سن کے تیری حدیثِ شیریں کو — ''ارنی گو'' کی صاف ہو تقریر[۳۱]

استواری میں غیرتِ اجرام — قصرِ احکام کی کرے تعمیر[۳۲]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سالک کے ہاں بھی شاعرانہ تخیل کے بل بوتے پر مرتبۂ رسالت کا مقامِ حق سے موازنہ کرنے کا رویہ موجود ہے۔ مذکورہ قصیدے سے اشعار کی مثالیں دیکھیے:

کیوں ''اناالحق'' سرا کو ٹھہرایا — حق سرائی پہ واجب التعزیر
ہاں وہ کہتا ''اناالرسول'' اگر — تھی سزاوارِ دار یہ تقصیر(۳۳)

ایک اور قصیدے میں آپ ﷺ کی مدح اور نواب محمد کلب علی خان بہادر والیٔ رامپور کی مدح کی ہے۔ قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے۔ اس قصیدے کے اشعار میں مضامین سابقہ قصیدے سے زیادہ متاثر کن ہیں۔ گریز کا مرحلہ بھی نہایت خوبی سے نبھایا ہے:

برابر اُگتی ہے اس طرح سے گیاہ کہ ہے — ہزار ''لا'' سے گلستانِ دہر کا ابطال
یہ فصل وہ ہے کہ سوسن کو بھی جو بخشے گی — زبانِ مدح طرازِ شہِ فرشتہ خصال
وہ کون جس سے کہ تکوین ہر دو ''کون'' ہوئی — وہ کون جو کہ ہے منظورِ ایزدِ متعال(۳۴)

شاعر نے تشبیہات، تلمیحات اور معجزات کے ذکر سے آپ ﷺ کے علوئے مرتبت کو بیان کیا ہے۔ سیرتِ مطہرہ سے متعلق روایات کی طرف بھی اشارے موجود ہیں۔ حضور ﷺ کی مدح کے بعد شاعر نے بڑی فنکاری سے نواب کلب علی خان کی مدح کا آغاز کیا ہے۔ سالک کے کلیات میں شامل رباعیات میں ابتدائی رباعیات تقدیسی مضامین رکھتی ہیں دو حمدیہ رباعیوں کے بعد ایک رباعی میں حمد و نعت کا ادغام ہے:

ہوں طاعت و بندگی میں کتنا مجہول — فرمانِ خدا جس میں ہے نہ حکمِ رسولؐ
کس بات سے پھر نجات کی ہو اُمید — ہاں ہو تو یہ عجز ہو ہمارا قبول(۳۵)

سیّد محمد فخر الدین سخنؔ دہلوی نہایت ذکی الطبع تھے۔ بلا کا ذہن پایا تھا۔ صوبہ بہار کے مشہور قصبہ شاہ آباد میں کچھ عرصہ تک عدالت دیوانی میں وکالت کرتے رہے۔ آپ نے کلکتہ کے اکثر مشاعروں میں اپنی دھاک بٹھا دی تھی۔ مدتوں شعرائے بنگال سے معرکہ آراء رہے۔ ''فسانۂ عجائب'' میں میر امن کے متعلق رجب علی بیگ کے فقروں کو پڑھا تو دہلی اور لکھنؤ کی رقابت نے انھیں افسانہ نگاری پر بھی مجبور کیا۔ لہٰذا ''سروشِ سخن'' لکھی۔ ۱۳۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔(۳۶)

خواجہ محمد فخر الدین حسین خان سخنؔ دہلوی کے دیوان کی ابتداء طویل حمدیہ قصیدے سے ہوتی ہے اس کے بعد ایک سو چھے اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ہے۔ عشقیہ تشبیب کے ۴۸ اشعار کے بعد گریز کا مرحلہ آتا ہے جو سات اشعار پر مشتمل ہے۔ مدح کا مرحلہ آتے ہی شاعر کا قلم اور تخیل مستعد اور پُرجوش نظر آتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

وہ باوقار مٹائے ہیں جس کی ہیبت نے جہاں سے کفر و ضلالت کے نامور مشہور
وہ مہرِ اوجِ جلالت کہ جس کے پرتو سے ملا ہے آدمِ خاکی کو ایسا خلعتِ نُور
وہ ماہِ برجِ نبوت کہ جس کا نورِ قدم ہوا ہے باعثِ تکوینِ عالمِ محمود
وہ شمعِ انجمنِ معرفت کہ جس سے ہوا طلوعِ نیّرِ اسلام و محوِ جہل و کفور
وہ جس کے نام سے پیدا نماز کی صورت قیام و سجدہ رکوع و قعود و جملہ امور(۳۷)

شاعر نے آنحضورﷺ کے ظاہری و باطنی اوصاف وکمالات کو جس جذب وشوق سے بیان کیا ہے اس نے مدح کے اشعار کا اسلوب دیگر اجزائے قصیدہ سے قدرے الگ کر دیا ہے۔آخر میں دعاومطلب پر قصیدے کا اختتام ہے۔

منشی میاں داد خان سیاحؔ متمول گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ذہین، طباع انسان تھے۔ اوائل مشقِ سخن میں عشاق تخلص کیا۔ ۱۸۶۴ء میں مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوکر غزل بہ نظر اصلاح پیش کی۔ مرزا صاحب نے سیاح تخلص عطا فرمایا۔ مؤلف ''خمخانۂ جاوید'' نے وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ نے اطراف ہندوستان، پنجاب، بنگال، کشمیر کے سوا عرب اور عجم کے نظارے بھی آنکھ سے دیکھے تھے۔ لالہ سری رام لکھتے ہیں کہ نکتہ سنجی اور معنی یابی کے علاوہ پڑھنے کا انداز بھی دلفریب تھا۔ مزید لکھتے ہیں:

> افسوس ہے کہ غالبؔ کا ایک عزیز شاگرد ۱۹۰۶ء تک زندہ رہا۔ مگر اس پر گمنامی کی نقاب پڑی رہی نہ اردو کی انجمنوں اور کانفرنسوں میں اس کی آواز سنائی دی نہ رسائل واخبارات اس کو ملک کے سامنے لائے۔ نہ اس کا دیوان اربابِ سخن تک پہنچا۔ مرزا راقم تذکرہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کی ٹوہ لگائے اس انجمنِ سخن میں نمایاں کرے۔(۳۸)

میاں داد خان سیاحؔ کی شخصیت وکلام پر ڈاکٹر سیّد ظہیر الدین مدنی نے کتاب ترتیب دی ہے۔ جس کا نام ''میاں داد خان سیاح اور ان کا کلام'' ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے منتخب کلام میں ایک حمد اور نعت شامل کی ہے۔ نعت کے اشعار رسمی انداز کے ہیں۔ مضامین بھی منفرد نہیں۔ البتہ لطیف مضامین پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

آنسو گرائے یاد میں اس کی اگر تو پھر کوثر سے رتبہ کم نہیں چشم پُر آب کا
رونق ہے سب یہ دی ہوئی تیرے حضور کی کچھ رنگ بن گیا ہے جہانِ خراب کا(۳۹)

ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے غالب کے چند شاگردوں کا ذکر کرتے ہوئے مفتی سید احمد خان سید کے بارے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں لکھا ہے سیّد احمد خان سید، ابنِ کرامت علی مشہدی، ضلع مراد آباد کے مشہور تاریخی قصبے سنبھل کے رہنے والے تھے۔ کچھ دنوں بدایوں میں بھی رہے پھر بریلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ علوم متداولہ کی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ علم طب بھی پڑھا تھا۔ جنگ آزادی میں حصہ لینے پر بطور سزا جزائر انڈمان ونکوبار بھیج دیے گئے۔ وہاں انھوں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ایک منظوم عرض داشت لکھی جس کا آغاز یوں ہے:

قسم ہے تجھے اے نسیمِ سحر میسر نہیں کوئی پیغام بر
مدینے میں ہووے جو تیرا گزر یہ کہنا بدرگاہ خیر البشر

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حالِ ما یا نبی الوریٰ(۴۰)

اس نظم میں فکری گہرائی کم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح مختلف معجزات کے حوالے سے کی ہے۔ نیز اپنے حال پر مدد اور رہائی کی تمنا بیان کی ہے۔ یہاں سیّد کے ایک اور نعتیہ کلام کے بھی تین بند فراہم کیے ہیں۔ پہلا بند یہ ہے:

اتنے میں تصور کو ذرا رحم جو آیا نقشے کئی تصویروں کے وہ سامنے لایا
کہنے لگا یوسفؑ ہیں یہ موسیٰؑ ہیں یہ عیسیٰؑ میں نے کہا ان میں سے کسی پر نہیں شیدا
دل کو مرے تسخیر کیا اس عربی نے مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی نے(۴۱)

مولوی سلطان حسن خان، دہلی کے مشہور خاندانِ مفتیان کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء۔۱۸۲۵ء) میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل مولانا فضل حق خیرآبادی سے کی۔ انگریزی عہد میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ دلّی میں باون برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ عربی کے دو مشہور قصیدوں ''بانت سعاد'' اور ''بردہ'' کی شرح لکھی۔ ان کا کلام ضائع ہو گیا۔ مالک رام نے ڈاکٹر ایوب قادری کی فراہم کردہ نقل سے نعتیہ قصیدہ درج کیا ہے۔ جس میں ۳۸ اشعار ہیں شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوے مرتبت کو سادگی و سلاست سے بیان کیا ہے۔ واقعۂ معراج کا ذکر بھی کیا ہے۔ مدح اور طلب کے اشعار میں حاضری کی تمنا غالب ہے۔ بے تابانہ اس کا اظہار کرتے ہیں:

تمنا ہے مدینے کو برہنہ سر برہنہ پا چلا جاؤں میں آزادانہ کہتا یارسول اللہ
کبھی میں شوق میں دوڑوں کبھی میں وجد میں آؤں تصور ہو بندھا مجھ کو تمھارا یارسول اللہ
کیا ہو پارہ پارہ میں نے اپنے جیب و داماں کو بہاتا ہوں میں ان چشموں سے دریا یارسول اللہ

یکا یک محو ہو جاؤں کبھی جو ہوش میں آؤں کروں میں عرض جو کچھ ہو تمنا، یارسول اللہ
در و دیوار سے لپٹوں دل اپنا کھول کر روؤں پھروں میں گرد روضہ کے تڑپتا یارسول اللہ(۴۲)

قاضی سرفراز علی شاہ جہاں پوری ۱۸۱۲ء میں شاہ جہاں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی۔ اس کے بعد ان کے ماموں نیاز علی بلگرامی نے مزید تحصیل کے لیے انھیں دلی بھیج دیا۔ دلی کے ماحول میں انھیں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ سیّد تخلص اختیار کیا۔ مذہبی رجحانات کے باعث کلام زیادہ حمد و نعت میں کہا مگر حمد و نعت میں کلام ضائع ہو گیا۔ نمونۂ کلام میں چند شعر دستیاب ہیں:

محشر میں خوف ہو گا جو رب کے عتاب کا ہر شخص منہ تکے گا رسالت مآب کا
لب اس کے واں کھلیں گے شفاعت کے واسطے یارا جہاں نہ ہو گا سوال و جواب کا(۴۳)

غلام مصطفیٰ خان شیفتہ، غالب کے عزیز ترین شاگردوں میں تھے۔ عمدہ سخن ور اور نقادِ سخن تھے لیکن ''کلیاتِ شیفتہ''(۴۴) میں نعتیہ کلام نہیں ملتا۔ صغیر بلگرامی کے دیوان ''خمخانہ''(۴۵) میں بھی نعتیہ کلام شامل نہیں۔ شاہ فرزند علی منیری ۱۸۳۸ء کو منیر شریف (پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔ غالب کے آخری دور کے شاگرد ہیں۔ نظم و نثر میں متعدد فارسی و اردو تصانیف یادگار ہیں۔ ۱۹۰۱ء کو پٹنہ میں انتقال ہوا۔ شاہ فرزند علی منیری نے مثنوی ''لواء الحمد'' کے نام سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے:

فخرِ عالم گیر تاج رسل قرّہ باصرہ عین حضور
نورِ حق جلوۂ رب شانِ الٰہ خواجۂ کون و مکاں، مرجعِ کل
اوّلیں موجۂ دریاے ظہور ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ(۴۶)

حضرت ظلِ سبحانی مرزا ابوالظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ، بادشاہِ دہلی نے غالب سے قبل شاہ نصیر اور ذوق سے بھی اصلاحِ سخن لی۔ چار مطبوعہ دیوان موجود ہیں جن میں ہر رنگ پایا جاتا ہے۔ سنگلاخ زمینوں میں بھی زبان اور مضمون کے بہترین شعر ملتے ہیں۔ ۹۰ برس کی عمر پا کر ۱۲۹۹ھ میں رنگون میں انتقال کیا اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔(۴۷)

بہادر شاہ ظفر نے بھی ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع:

اے سرورِ دو کون شہنشاہِ ذوالکرم
سرخیلِ مرسلین و شفاعت گرِ اُمم(۴۸)

اس قصیدے میں اشعار کی تعداد زیادہ نہیں۔ آغاز براہِ راست مدح سے ہے اور اختتام دعا و طلب پر ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کلیات کی جلد اوّل میں ایک مسدس پنجتن پاک کے وصف میں ہے۔ چاروں جلدوں میں ردیف الف کی ابتدائی غزلیات میں حمدیہ و نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر غزلیات میں بھی خال خال نعتیہ اشعار در آئے ہیں اور یہ اشعار مبہم نہیں بلکہ واضح نعتیہ قرینہ رکھتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

بندہ خدا کا کون وہ خاص آفریدہ ہے   پشتِ فلک سلام کو جس کے خمیدہ ہے (۴۹)

کہتے ہیں ملک صل علی دیکھ کے اس کو   اللہ وہ کس شکل و شمائل کا بشر ہے (۵۰)

دیکھے سب معرفت آگاہ ترے در کے فقیر   ہم نے پایا جسے یاں صاحبِ عرفاں پایا (۵۱)

ظفرؔ کی غزلیات میں معجزاتِ رسول ﷺ کی تلمیح اکثر ملتی ہے۔ واقعۂ معراج کی تلمیح انھیں بطورِ خاص مرغوب ہے اور جا بجا اشعار میں اس کا استعاراتی اظہار ملتا ہے۔

مولانا ولایت علی خاں عزیز صفی پوری کے اجداد خواجہ عثمان ہارونی چشتی کی اولاد میں سے تھے (جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے پیر ہیں) اور خواجہ زادے کہلاتے تھے۔ حضرت عزیز کی ولادت ۱۸۴۰ء کو صفی پور میں ہوئی۔ انگریزی عملداری کے آغاز کے زمانے میں آپ کے والد ماجد نے آپ کا نکاح کیا اور حضرت پیر دستگیر جناب فتح علی شاہ صاحب خلیفہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب صوفی کے ہاتھ پر مرید کرایا۔ یہ سلسلہ چشتیہ صابریہ ہے۔ حضرت عزیز کی شخصیت اور کلام میں صدیقیت، محویت، فنایت اور شیدائیت ہے جو آپ کو محبت رسولؐ اور صدق پیغمبر سے حاصل ہے۔ ۸۸ برس کی عمر میں ۱۱۲۸ء میں وفات پائی۔ (۵۲)

عزیز صفی پوری کا سرمایۂ کلام فارسی اور اُردو میں موجود ہے۔ فارسی میں نعت کے دو دیوان ایک قصیدۂ نعتیہ اور ایک نعتیہ مثنوی ہے۔ عزیز نے غالب سے اصلاح فارسی میں لی لیکن عزیز کا اردو میں نعتیہ کلام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اُردو میں ان کے تینوں دیوان ''طورِ تجلی''، ''نورِ ولایت''، ''نظمِ دلفریب'' کی ناپیدگی کی تلافی یوں ہوئی کہ ان کے تینوں دواوین کا انتخابِ کلام محمد خصلت حسین صابری نے ''عرفانِ عزیز'' کے نام سے شائع کیا۔ اس مجموعے کا تمام کلام متصوفانہ، عافانہ اور نعتیہ آہنگ رکھتا ہے۔ غزل کے روایتی علائم بھی ہے۔ معرفت و سلوک کے استعارے بھی ہیں۔ زمینیں دلکش اور کلام شاعرانہ خوبیوں سے پُر ہے۔ شاعر کی طبیعت کا منفرد تخلیقی رنگ اس میں جھلکتا ہے۔

عدم جلال ہے اس کا تو ہے وجودِ جمال   کہاں سے چل کے وہ نُور قدم کہاں آیا (۵۳)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اسی کے مصحف رُخ کی تلاوت دورِ عالم ہے تسلسل کیا ہے شیرازہ ہے اجزائے مجلّد کا(۵۴)

پائی تری ہستی سے مری جان نے ہستی اس فخر سے کرتی ہے مرے جسم میں جاں رقص(۵۵)

مقامِ سجدہ ہے بے تامل جو ہو میسر تری زیارت کہ سمت کعبہ ہے طاق ابرو تو عین مصحف کتاب عارض(۵۶)

وہاں کے اسرار کس سے پوچھوں نسیم تُو بھی نہیں گئی ہے
عجب حرم ہے مقامِ احمدؐ کہ گُل کی بُو بھی نہیں گئی ہے
شعاعِ شکلِ زماں ہے لیکن یہ بات اس سے کہاں ہے ممکن
کرے گی کس منہ سے وصفِ احمد کہ روبرو بھی نہیں گئی ہے
گیا ہے دم بھر جو اُن کے در پر پھر اس کی طینت سے زندگی بھر
وہاں کی بُو بھی نہیں گئی ہے، وہاں کی خُو بھی نہیں گئی ہے
جو دورِ احمدؐ میں مے کدہ ہے، ہے آفتابی ''بلے'' کی اس میں
وہاں سبو بھی نہیں گیا ہے، مئے سبو بھی نہیں گئی ہے(۵۷)

سیّد غلام حسنین قدر بلگرامی ۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ کلیات کی ابتدا میں ان کے بارے میں معلومات بھی ملتی ہیں۔ تحصیلِ علم کے لیے بلگرام سے لکھنؤ گئے۔ شاعری پہ طبیعت مائل ہوئی۔ برقؔ اور سحرؔ سے تلمذ رہا۔ ۱۸۵۷ء میں پھر لکھنؤ سے بلگرام چلے گئے۔ بتلاشِ معاش پنجاب بھی گئے۔ پھر مستعفی ہو کر دلی آئے اور مرزا غالب کی شاگردی اختیار کی ۱۸۸۴ء میں وفات پائی۔ قدرؔ کے کلیات میں ابتدائی ایک دو کلام میں حمدیہ نعتیہ مضامین ہیں۔ ان اشعار کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ جہاں ذکر موجود ہے وہاں شاعر نے نعت کے موافق انداز اپنایا ہے۔

شیریں ہے جس سے کام انا افصح العرب شوریدہ و فریفتہ ہوں اس جمیل کا
یہ آپؐ ہی کا دل ہے وہاں بے خطر گئے جس جاگہ کانپتا ہے جگر جبرئیل کا(۵۸)

مثنوی ''قضا و قدر'' میں نعت کے چار شعر ہیں۔ رباعیات میں صرف ایک رباعی نعتیہ ہے:

جس روز دم شمار اُٹھوں گا میں کیا قبر سے بے قرار اُٹھوں گا میں
جب اُمتی اُمتی سنوں گا اے قدر! احمد! احمد! پکار اُٹھوں گا(۵۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

حکیم غلام مولیٰ عرف مولا بخش قلقؔ میرٹھی ۱۸۳۳ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ میرٹھ میں ابتدائی تعلیم کے بعد دلی کالج گئے۔ طبع موزوں تھی۔ دہلی میں شاعرانہ ماحول ملا۔ مومن کے شاگرد رہے۔ مالک رام نے قیاس کیا ہے کہ غالب کے باقاعدہ شاگرد نہ تھے لیکن اس کے باوجود غالباً قلقؔ سے استصواب کے بغیر غالب نے ان کے کلام پر اصلاح دی تھی۔ (۶۰)

کلیاتِ قلقؔ کے آغاز میں اوّل حمدیہ غزل کے بعد دو نعتیہ غزلیں ہیں جن میں شاعر نے مضامین کو بلند آہنگ رکھا ہے۔ ہر ہر شعر میں ندرت پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔ پہلی نعتیہ غزل کا مطلع ہے:

برقِ سحاب مہر ہے ابروئے مصطفا
ہے طرّہ اس پہ سایۂ گیسوئے مصطفا (۶۱)

حضور اکرم ﷺ کے سراپا، ترحم، بلند مرتبی اور شفاعت کے روایتی موضوعات بیان کیے ہیں۔ قلق کا اندازِ بیاں لفظاً اور معناً سادہ نہیں بلکہ طبعِ مشکل پسند کا عکاس ہے۔ عقیدہ اور تفکر باہم ملے ہوئے ہیں۔ اشعار میں مضمون آفرینی کی یہ کوشش کہیں کہیں قرائن کو بھی واضح نہیں کر پاتی۔

کیوں کر نہ دیر و کعبہ میں ہم رنگِ نور ہو — یاں پشتِ مصطفیٰ ہے وہاں روئے مصطفا
اک پاؤں فرشِ خاک پر اک فرقِ عرش پر — ہیں دو جہاں کی پشت دو زانوئے مصطفا (۶۲)

اسلوب کے اعتبار سے دوسری غزل کا مطلع اسی مزاج کی عکاسی کر رہا ہے:

ہے چاکِ سینہ دشنہ نما وا محمدا
ہے غرق خون لب پہ صدا وا محمدا (۶۳)

مگر اس غزل کے اشعار میں مضامین اور الفاظ میں وہ رنگ نہیں جو نعت کا اختصاص ہونا چاہیے۔ اس کے بجائے ان قدیم نعتوں کے انداز کارفرما ہے جن میں مجازی قرینوں کو مثالی توازن سے نہ برتا جاتا تھا۔ نعت میں احترام کی جو فضا قائم رکھنا لازم ہے، مذکورہ عنصر اس میں تخفیف کا باعث بنتا ہے۔

کب کی جہاں سے شرم و حیا اُٹھ گئی مگر — تیرا نقاب ہی نہ اٹھا وا محمدا
رہتا ہے اس قدر کوئی نظروں سے دُور دُور — تجھ کو بھی ہم نے دیکھ لیا وا محمدا
دل جوئیوں سے دل کو کسی کے لیا بھی تھا — تو نے خیال ہی نہ کیا وا محمدا (۶۴)

کلیاتِ قلق میں شامل رباعیات میں بھی ایک رباعی نعت کے زمرے میں ہے جسے شاعر نے اس صنف کے مروجہ شعری مزاج کے تحت فلسفہ وتصوف کا آہنگ دیا ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بے رُوئے نبی عرضِ صفا کیوں ہوتا   اور آئینہ وحدت کا جلا کیوں ہوتا
معشوق کے پردے سے ہے پیدا عاشق   ہوتا نہ محمد تو خدا کیوں ہوتا[۶۵]

میر مہدی مجروح ساداتِ نجیب الطرفین کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے والد کا نام میر فکار حسین تھا۔ مجروح کے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین سے بھی غالب کو محبت تھی اور وہ ان کو مجتہد العصر لکھتے تھے۔ دیوانِ مجروح کے مقدمے میں کلب علی خاں فائق نے استخراج کیا ہے کہ اصل نام میر مہدی حسین ہے۔ بعض لوگوں نے غلط فہمی میں میر مہدی حسن لکھا ہے۔ خطوطِ غالب سے مجروح اور غالب کی باہمی محبت واضح ہے۔ غالب ان کی نظم ونثر کے مداح تھے۔ مجروح کا دیوان ۱۸۹۸ء میں چھپا۔ ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ میر مہدی مجروح کے دیوان میں پہلا قصیدہ نعتیہ ہے۔ یہ قصیدہ شہیدی کے مشہور نعتیہ قصیدے کی تضمین میں ہے۔ قصیدے میں مدح کے مضامین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوئے مرتبت، دیگر انبیاء پر تفوق، اللہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور سراپائے مبارک پر مبنی ہیں۔

احد نے دل میں اپنے دی جگہ اسمِ مبارک کو   اشارہ کر رہا ہے دیکھ لو یہ میم احمد کا
چمک نورِ مبیں کی جبکہ افزوں روز و شب دیکھی   چراغ عقل گل کیوں کر نہ ہو بُو لہب مرتد کا
گل تر اور شمشادِ جناں دونوں کو دیکھا ہے   نہ یہ ہم سر ہے اس قد کا نہ وہ ہم شکل اس خد کا[۶۶]

آخری قطعہ بند اشعار میں حسن طلب و دعا سے پیشتر مجروح نے اردو زبان کے سرمایۂ نعت سے ثروت مند ہونے کا لطیف مضمون بیان کیا ہے۔ کم از کم مجروح کے عہد تک کی نعت میں یہ انداز مبنی بر جدّت ہے اور روایتی مضامین میں تازگی کا احساس دلاتا ہے۔

زبانِ ہند کو وقعت وہ بخشی تیری مدحت نے   کلام فرس وتازی میں بڑھا ہے لطف جس حد کا
زباں دہلی کی سرمشق سخن ہو اصفہانی کو   اگر کھل جائے جوہر ان پہ اس تیغ مہند کا[۶۷]

غزلیات میں حمد کے علاوہ پانچ نعتیہ غزلیں ملتی ہیں نعت کے مضامین کچھ مختلف نہیں لیکن مجروح کے انداز میں سلاست ہے تشبیہ و استعارہ کے استعمال سے ان کا کلام بوجھل نہیں ہوتا بلکہ لطافت اور روانی برقرار رہتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مقام اور شفاعت کا ذکر زیادہ ہے۔ سیرت کا ذکر اور ذکرِ مدینہ بھی اشعار کا موضوع رہے ہیں۔

اُمی ہوا اگرچہ بظاہر پہ اصل میں   کشاف ہے حقائق اُم الکتاب کا
کر لیں بہت سے جرم اکٹھے کہ حشر میں   ہونا ہے سامنا کرمِ بے حساب کا[۶۸]

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہوا آہن گداز قلب عرب معجزہ ہے بیاں محمد کا[۶۹]

بعض اشعار میں منفرد الفاظ وتراکیب اور تشبیہات سے ندرت پیدا کی ہے مگر اس طرح کہ کلام ادق نہیں ہونے پاتا:

پیہم ہے بسکہ ریزشِ انظارِ زائراں ہے فرش صحنِ خاص میں تار نگاہ کا
دریائے بیکراں ہے صفات محمدی جبریل اس میں قصد نہ کرنا شناہ کا
وہ پیک چرخ جس کا لقب ہے مہِ منیر داغی غلام ہے وہ تری بارگاہ کا[۷۰]

دیوانِ مجروح میں سرمایۂ نعت صرف ابتدائی یا رسمی کلام پر مشتمل نہیں بلکہ نعتیہ مضامین جا بجا نظر آتے ہیں۔ معراجیہ مضامین پر مشتمل غزلِ مسلسل میں شبِ معراج کی خوبیوں کا ذکر دلکش مثالوں سے کیا ہے اور اسے حضور ﷺ کا خاص اعزاز قرار دیتے ہوئے مرتبۂ رسالت کی دلیل قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اسی زمین میں مزید نعتیہ غزل ہے جس کے ہر شعر میں حضور ﷺ کے اوصاف کا ذکرِ بلیغ ہے۔ ایک نعتیہ غزل میلاد النبی ﷺ سے متعلق ہے۔ حسبِ سابق یہاں بھی شاعر کے الفاظ وتراکیب عمدہ ہیں اور تخیل نقش گر ہے:

وہ چمکا نور اس ظلمت سرا میں جو اوجِ قُرب کا ماہ مبیں ہے
وہ کشافِ حقائق جس کی ہر بات تسلی بخشِ اربابِ یقیں ہے[۷۱]

نعتیہ غزل دیوان میں اکثر مقامات پر موجود ہیں جبکہ ردیف ''ے'' میں نعتیہ غزلوں کی تعداد باقی دیوان سے زیادہ ہے۔ یہاں مجروح کی نعت گوئی متنوع اوصاف کی حامل نظر آتی ہے اور مدحتِ رسول ﷺ کا انداز رسمی نہیں بلکہ کیفیاتِ دلی کا عکاس ہے۔ ذاتِ احمد ﷺ کے فضائل کا ذکر کرنے کے لیے الفاظ وتراکیب نہایت دل کش ہیں۔ آپ ﷺ کے بلند مرتبۂ رسالت کی مثالیں، مدینہ اور گنبدِ خضریٰ کے کیف کا ذکر، آپ ﷺ کی شفاعت کا تذکرہ بہت عمدگی سے کیا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

محمد عطرِ ریحانِ رسالت سہی سروِ گلستانِ رسالت
وہ ہے شیرازہ بندِ جزوِ ایماں وہ ہے تفسیر قرآنِ رسالت[۷۲]

بشر اور یہ صفاتِ لا متناہی تعجب خیز ہے شانِ محمد
قسم کھاتا ہے جس کی ربِّ معبود عجب ذی قدر ہے جانِ محمد[۷۳]

مجروح کی نعتیہ شاعری میں جا بجا ایسے اشعار ہیں جنھیں جدید لہجے کا غماز کہا جا سکتا ہے۔ یہ جدّت دوراز کار

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تشبیہات واستعارات یا پیچیدہ مضمون آفرینی سے نہیں بلکہ مضمون کی صداقت وسادگی سے پیدا ہوتی ہے:

رہتی ہے اشتیاقِ مدینہ میں ساتھ ساتھ اس قافلے میں گرد پسِ کارواں نہیں
آلودگی جرم پہ، لوثِ گناہ پر اے ابرِ مکرمت! تری ریزش کہاں نہیں(۷۴)

مہر ملتا ہے روشنی کے لیے آپؐ کی خاکِ پا رسول اللہؐ(۷۵)

وہ ڈر ہو اور یاس، خیالِ محال ہے یاں خود لگاوٹیں ہیں اثر کو دعا کے ساتھ(۷۶)

ملائک کس طرح بے اذن آئیں سمجھتے ہیں، درِ خیر الوریٰ ہے
وہاں ہر مردہ دل ہوتا ہے زندہ مدینے کی عجب آب و ہوا ہے(۷۷)

درِ خیرالوریٰ پہ جا جلدی باغ جنت کو دیکھ آ، جلدی
تیز رو گرچہ ہے شمال و صبا پاؤں ان سے بھی کچھ اُٹھا جلدی(۷۸)

مجرؔوح کے نعتیہ کلام کا ایک پہلو نعت کے متعلق تنقیدی اظہارِ خیال بھی ہے۔ نعت گوئی کے لیے ادب و تقدس، ہوش مندی، پاسِ حفظِ مراتب اور نعت گو شاعر کی تعلّی کے متعلق اپنا نکتۂ نگاہ اشعار میں دہرایا ہے۔ مثلاً:

ز بس دشوار ہے حفظِ مراتب بہت کم ہیں ادب دانِ محمدؐ(۷۹)

ثنا گر ہو کے نہ اِترائے سحباں خدا خود ہے ثنا خوانِ محمدؐ(۸۰)

بیٹھو ادب سے ہرزہ سرا ہو یہاں نہیں حضرت کی نعت ہے یہ کوئی داستاں نہیں(۸۱)

بہتر تنقیدی شعور کے باوجود مجروح کے ہاں بعض ایسے اشعار بھی در آئے ہیں جنھیں مقام ربوبیت وعبدیت کے ادغام یا عقیدت کے عدم توازن کا شاخسانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ نعت کے زمرے میں ان اظہارات اور ان سے متعلق تنقیدات کا رجحان ایک عرصے سے نعتیہ ادب میں جاگزیں ہے۔

مجرؔوح نے قدسی کی مشہور نعت پر بھی خمسہ کہا ہے جس کے نو (۹) بند ہیں۔ دیوان میں شامل رباعیات میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بھی دو رباعیات نعتیہ ہیں۔

شیخ محمد صادق علی، سکندرہ ضلع علی گڑھ کے مقیم تھے۔(۸۲) منشی صادق علی، عاشقانہ کلام میں سوزاںؔ اور نعتیہ کلام میں مداحؔ تخلص کرتے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں انھوں نے نعتیہ دیوان مرتب کیا اور ۱۸۶۹ء میں اپنے نعتیہ دیوان کا انتخاب کیا۔ ''یادگارِ ضیغم'' میں نعت کے دو شعر دستیاب ہیں:

نگینِ دل ہمارا ہے مزیّن نقوش نام ختم مرسلیں سے
صلہ مدحت کا لو مداحؔ چل کر حضور خسروِ دنیا و دیں سے(۸۳)

ناظم نواب یوسف علی خان والیٔ رام پور ابتدائے مشقِ سخن میں اسیرؔ لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ ایام ولی عہدی اور اپنے والد کی مسند نشینی سے پیشتر ایک عرصہ تک دہلی میں مقیم رہے۔ اس زمانے میں مفتی صدر الدین آزردہؔ اور مومنؔ سے بھی علومِ عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ غدر سے چند سال پیشتر مرزا غالب سے دوستانہ وشاگردانہ ارتباط رکھتے تھے اور بڑی تعظیم سے پیش آتے تھے۔ ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا۔(۸۴)

نواب محمد یوسف علی خان بہادر، ناظم رامپوری کے کلیات کی ابتدا میں کچھ حمدیہ ونعتیہ کلام شامل ہے۔ ایک کلام شہیدی کی زمین ہے، مقامِ محمدی کے بیان میں شاعر کا انداز صوفیانہ ہے۔ مگر صوفیانہ مضامین کے بیان میں صنائع بدائع کو بھی مقدم رکھا ہے۔ اپنے عقائد کے اظہار کے لیے پُر شکوہ الفاظ وتراکیب بیان کی ہیں۔ ابتدائی اور اختتامی اشعار یہ ہیں:

خدا کا نام لکھ کر نام لکھتے ہیں محمد کا مگر اس میم کا ہمدم ہے میم اللہ کی مدد کا
احد کے دلنشیں ہے میم احمد پوچھتے کیا ہو یہ اک نکتہ ہے مشعر خاص محبوبی احمد کا
ماوّل ہے دوئی توحید خالص اس کو کہتے ہیں اگر سایہ نظر پڑتا زمیں پر آپؐ کے قد کا(۸۵)

ناظم کے ہاں اپنے استاد کی مانند مضمون آفرینی کا شوق غالب ہے۔ نعتیہ اشعار میں ان کا پیرایۂ اظہار اس قدر سہل نہیں لیکن کہیں الفاظ وتراکیب اور کہیں معانی نے کلام کو مشکل بنا دیا ہے اور مضمون مبہم ہو گیا ہے:

کسی کا حوصلہ اتنا کرم سے بڑھ کر ہے یہ لین دین کہ پتھر ہو مول گوہر کا
فرازِ طاق حرم سے نہ کسی طرح گرتے بتوں کو وجد میں لایا کلام پتھر کا
علم بھی کیا تیرے قد کی طرح ہے بے سایہ کہ ہم کو خوف ہو خورشید روزِ محشر کا
یہ دمبدم کی ہے ریزش کہ کوچے کے اطفال اڑا رہے ہیں کبوتر فرشتے کے پر کا(۸۶)

نواب محمد مردان علی خان بہادر تخت قائم جنگ وزیر اعظم ملک ماڑواڑ، ابتدا ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور اوراد و وظائف کا عالمِ شباب ہی سے جوش رکھتے تھے۔ دیوان کی ابتدا میں دیے گئے احوال میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ خواب میں صحابہؓ کو، کعبۃ اللہ کو اور خواجہ معین الدین چشتی کو دیکھا۔ رمضان کی شب زندہ داری میں شب قدر بھی دیکھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دل میں اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کیفیت میں جو لکھا ہے وہ گویا حالیہ ہے۔

نواب محمد مردان علی خان مراد آبادی، نظامؔ، مضطرؔ اور رعناؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کا دیوان ''مہرِ نبوت'' حمد، نعت اور مناقب پر مشتمل ہے۔ آغاز میں ''در نعتِ سرورِ کائنات'' کے عنوان کے تحت رباعیات شامل ہیں۔ پہلی رباعی ملاحظہ ہو:

آدم الف ہے سرِّ بسم اللہ اور میم محمد کا ہے آخر میں گواہ
مابین صفات و ذات ہے برزخ دال یہ دال ہے دیوارِ عناصر کی پناہ (۸۷)

دیگر رباعیات میں بھی تصوف کا یہی رنگ غالب ہے۔ شاعر نے عقیدت کے جذباتی اظہار کے بجائے حقیقتِ محمدی کے بیان کرنے میں کوششیں صرف کی ہیں۔ نیز دیگر انسانوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق بھی اسی تدقیق سے بیان کیا ہے۔ ان رباعیات کے بعد ''خمسہ بر غزلِ قدسی'' کے تحت گیارہ بند رقم کیے ہیں۔ جن میں قدسی کی غزل ہی کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے مثل مقام و مرتبے کو بیان کیا ہے۔ ایک مثال یہ ہے:

گلشن ذات کی مانندِ صبا کی گلگشت
جا کے ناسوت سے لاہوت تلک کر کے گشت
فکر و اوہام و خیالات کے طے کر سب دشت
شبِ معراج عروجِ تو از افلاک گزشت
بمقامی کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی (۸۸)

اسی طرح کرامت علی شہیدی کے مقبول قصیدے پر خمسہ کہا ہے جو چالیس بندوں پر مشتمل ہے۔ متضمن کلام معنوی اعتبار سے اصل کلام ہی پر بنیاد رکھتا ہے۔ تاہم اپنے فکر و اسلوب کو اصل شاعر کے تخیل سے ہم آہنگ کرنا بھی مشکل امر ہے۔ بعض بندوں میں نظام نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے تین مصرعوں کو شہیدی کے شعر کی توضیح بنا دیا ہے۔ مثلاً:

بہت آئینوں میں گر پرتوِ شمع ایک پر ڈالو
تو اسرے آئینوں میں جا بجا وہ عکس پیدا ہو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

یونہیں وہ مظہرِ ذات و صفات حق نہ ہوتے تو
گزر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقشِ احد پر میم احمد کا(۸۹)

دیگر بندوں میں بھی معنوی تسلسل برقرار رکھنے میں شاعر کامیاب رہا ہے۔اس کے بعد دیوان میں ترجیع بند نعت ہے۔ پہلا بند فارسی میں ہے۔ دیگر بندوں میں چار اور مصرعوں کے بعد یہ شعر ہر بند کے آخر میں دہرایا گیا ہے:

بصورتِ تو نگارے نہ آفریدہ خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا(۹۰)

اس ترجیع بند نعت میں اشعار سابقہ کلام کی نسبت سہل ہیں۔ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کی توصیف میں شاعر نے اپنے جذبات و احساسات کے ساتھ ساتھ بعض روایات کو بھی بیان کیا ہے جن میں حضرت اویس کے خواب کا ذکر، تذکرۂ حسنِ یوسفؑ کے بعد وحی کا ذکر، ایک چاندنی رات میں صحابہؓ کا حسنِ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراہنے کا ذکر، شبِ معراج میں انبیاء کا حضور کے حسن کو سراہنے کا ذکر و گلگشتِ خُلد میں حور و غلماں کا حسنِ حضور کی مدح کرنا اور پھر حسنِ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اظہار ربانی کا ذکر ہے۔

''قصیدۂ نا تمام'' کے عنوان سے گیارہ اشعار رقم ہیں۔ جن میں شاعر نے مدینے کے سفر کی خواہش اور جذب و شوق کو بیان کیا ہے۔ مطلع یوں ہے:

کون سا دن ہو فخرِ ملک و جن و بشر
کہ کروں ہند سے حضرت کے مدینے کا سفر(۹۱)

ایک غیر مردّف قصیدہ شاملِ دیوان ہے۔ مطلع:

کدھر ہے نکہتِ روحِ روانِ پیغمبر
غزائے روح و دل و دیں، شمیمِ جاں پرور(۹۲)

ایک اور نعتیہ قصیدہ شہیدی کے قصیدے کی زمین میں ہے۔ شاعر نے آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام مخلوقات پر فضیلت واضح کرنے کو تخیل کا جوش دکھایا ہے اور مضمون آفرینی سے کام لیا ہے۔ مقامِ رسالت سے متعلق اپنے عقائد کو بھی بالیقین بیان کیا ہے۔ اپنے افکار کے بیان میں شاعر نے اس سنجیدگی کو برقرار رکھا ہے جو قصیدے کی خاص فضا میں لازم ہوتی ہے۔

قضا و قدر ہیں عین رضائے رحمتِ عالمؐ نہیں ہے اس لیے تیرِ قضا محتاج کچھ ردّ کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ازل سے ہے اسی کے ہاتھ میں شیرازۂ امکاں مجزّا کرنے والا بھی وہی ہے اس مجلّا کا
ازل سے تا ابد ووہی معلم عقلِ کل کا ہے وہی مشتاق تعلیم اس خطِ لوحِ زبر جد کا
دو عالم ہیں دو حرف کُن سے، کُن دولب سے نکلا ہے مشیت میں خدا کی کام تھا کیا کاوش و کد کا(۹۳)

مولوی امو جان ولّی، پیشے کے اعتبار سے مدرس تھے پہلے دلی اور پھر فیروز پور جھرکہ میں تعینات رہے۔ ۱۹۰۲ء میں پنشن ہوئی حضرت سیّد محمد غوث شاہ سے بیعت تھے۔ رباعیات کا مجموعہ ۱۹۰۲ء میں شائع ہوا۔امو جان ولّی کی رباعیات میں آنحضورﷺ کا ذکر مبارک بھی خال خال ملتا ہے۔مگر یہاں نعت مقصود بالذات نہیں بلکہ شاعر کے ان نکات کے بیان کے سلسلے ہی میں یہ ذکر درآیا ہے جس کا ذکر اس نے ابتدایئے میں کیا ہے:

التماس، علما، فقہا، شعرا، اصفیا، فقرا، علم دوست، ہنرمند پرور رؤسا، عالی فہم صلحا، کی خدمت میں یہ ہے کہ ان رباعیات کو صرف مذاق شعری سے ملاحظہ نہ کریں اس میں علم اخلاق وتصوف کے عجیب وغریب دینی، دنیوی، شرعی، مصطلاحات توحید، عرفان حال، مقام حضوری، استغراق وصول الی اللہ، فقرتک کے اظہار و بیان کو سوچیں۔(۹۴)

رباعیات سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

بے واسطہ یاں کوئی نہ مولیٰ سے ملا حضرت کو بھی جبریل سے اک سابقہ تھا
اصحاب کے رہبر تھے رسولِ اکرم یہ دُور کی رہ طے نہ ہو بے راہنما(۹۵)

ہر دور کا حاکم ہوا اک مردِ خدا قانونِ خدا دہر میں حکم اس کا ہوا
آخر کے زمانے کے ہیں حاکم احمد جو ان سے پھرا پھر وہ کہیں کا نہ رہا(۹۶)

تلامذۂ غالب کی نعتیہ شاعری کے مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاعر کا تخلیقی مزاج ایک کُل ہے وہ کسی بھی صنف کو اختیار کرے بنیادی شاعرانہ اوصاف زیادہ مختلف نہیں ہوتے۔نعتیہ شاعری میں بھی ان شعراً کے بنیادی مزاج کی وہی جھلک ملتی ہے جو دیگر کلام میں ہے۔ نیز یہ کہ غالبؔ کی شعری اپج سے استفادے کی سطح ہر شاگرد کے ہاں یکساں نہیں۔ اس کے کئی محرک ہو سکتے ہیں۔ تلمّذ کا دورانیہ کم وبیش ہوسکتا ہے اور بعض اوقات شاعر کی اپنی افتادِ طبع ایسی لچکدار نہیں ہوتی کہ گہرا اثر قبول کرے ایک بات ان شعرا کے کلام میں واضح ہے کہ آں حضورﷺ کے بشری اوصاف کا ذکر اور سماجی پہلوؤں سے سیرت کے مضامین کا جو ذکر آنے والے دور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کی نعتیہ شاعری میں ملتا ہے اس کے بجائے شاگردان غالب کی نعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ماورائی جہات اور مقامِ رسالت وحقیقتِ محمدیؐ کا متصوفانہ اظہار زیادہ ہے۔ ان میں محض حالؔی ایسے شاعر ہیں جن کی نعت فی نفسہٖ دیگر شعرا سے مختلف ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کسی معاشرے کے تاریخی وتہذیبی مطالعے کے لیے ادب ایک طاقتور ذریعہ ہے۔ ادب کی تمام اصناف کی طرح ہر عہد کی نعت کا مطالعہ بھی حقائق کی دریافت اور انکشافاتِ نو کا اہم ذریعہ ہے۔

حواشی

۱۔ لالہ سری رام، ''خم خانۂ جاوید''، جلد اوّل، (دہلی: مخزن پریس، ۱۹۰۸ء)، ص ۱۱۰
۲۔ مالک رام، ''تلامذۂ غالبؔ''، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۱۴ء)، ص ۶۷، بارِ دوم
۳۔ ایضاً، ص ۹۲
۴۔ خواجہ احمد فاروقی، ''اُردوئے معلّٰی''، شمارۂ اوّل، غالب نمبر، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۶۰ء، ص ۱۱۱
۵۔ ایضاً، ص ۱۱۳
۶۔ ڈاکٹر ایوب قادری، ''غالب اور عصرِ غالب''، (کراچی: غضنفر اکیڈمی، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۷۲
۷۔ ایضاً، ص ۱۴۳
۸۔ ایضاً، ص ۱۴۴
۹۔ مولوی محمد حسین تمنؔا مرادآبادی، ''قصائدِ تمنؔا''، (مطبع منشی ہرنام سروپ، س ن)
۱۰۔ لالہ سری رام، ''خم خانۂ جاوید''، جلد دوم، (دہلی: امپیریل بک ڈپو پریس، ۱۹۱۱ء)، ص ۳۵۵-۳۵۸
۱۱۔ الطاف حسین حالی، ''دیوانِ حالی''، (دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۵۵
۱۲۔ ایضاً، ''مسدسِ حالی''، (لاہور: رابعہ بک ہاؤس، س ن)، ص ۱۸
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۶
۱۴۔ لالہ سری رام، ''خم خانۂ جاوید''، جلد سوم، (دہلی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء)، ص ۳۵۰
۱۵۔ خواجہ قمرالدین راقمؔ دہلوی، ''کلیاتِ راقمؔ''، (دہلی: افضل المطابع، ۱۹۰۱ء)، ص ۴، ۵
۱۶۔ ایضاً، ''مرقعِ نعت''، (حیدرآباد دکن: نظام المطابع، س ن)، ص ۶
۱۷۔ ایضاً، ص ۹
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۲
۱۹۔ ایضاً، ص ۱۳
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۵
۲۱۔ لالہ سری رام، ''خم خانۂ جاوید''، جلد سوم، ص ۴۵۶
۲۲۔ مالک رام، ''تلامذۂ غالبؔ''، ص ۲۰۷

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۳۔ ایضاً،ص ۲۲۴
۲۴۔ لالہ سری رام،''خم خانۂ جاوید''، جلد سوم، ص ۵۰۷
۲۵۔ ایضاً،ص ۶۲۵
۲۶۔ محمد زکریا خان زکیؔ دہلوی،''دیوانِ زکیؔ''، (دہلی: مطبع رضوی، س ن)، ص ۱۲
۲۷۔ ایضاً،ص ۱۴
۲۸۔ ایضاً،ص ۱۸
۲۹۔ لالہ سری رام،''خم خانۂ جاوید''، جلد چہارم، (دہلی: ہمدرد پریس، ۱۹۲۶ء)، ص ۳۷-۳۹
۳۰۔ قربان علی بیگ سالکؔ،''کلیاتِ سالکؔ''، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء)، ص ۸۵
۳۱۔ ایضاً،ص ۸۶
۳۲۔ ایضاً،ص ۸۷
۳۳۔ ایضاً
۳۴۔ ایضاً،ص ۹۰
۳۵۔ ایضاً،ص ۳۹۱
۳۶۔ لالہ سری رام،''خم خانۂ جاوید''، جلد چہارم، ص ۱۳۹
۳۷۔ محمد فخر الدین حسین سخنؔ دہلوی،''دیوانِ سخنؔ''، (لکھنؤ: مطبع نول کشور، س ن)، ص ۱۵
۳۸۔ لالہ سری رام،''خم خانۂ جاوید''، جلد چہارم، ص ۳۰۱
۳۹۔ ڈاکٹر سیّد ظہیر الدین مدنی (مرتب)،''میاں دادا خان، سیاح اور ان کا کلام''، (حیدر آباد دکن: ادارہ ادبیات اردو، ۱۹۵۷ء)، ص ۴۵
۴۰۔ ڈاکٹر ایوب قادری،''غالب اور عصرِ غالب''، ص ۱۳۱
۴۱۔ ایضاً،ص ۱۳۴
۴۲۔ مالک رام،''تلامذۂ غالب''، ص ۲۸۴
۴۳۔ ایضاً،ص ۲۹۹
۴۴۔ غلام مصطفیٰ خان شیفتہؔ،''کلیاتِ شیفتہؔ''، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۵ء)
۴۵۔ صفیر بلگرامی،''خم خانہ'' (دیوان)، (لکھنؤ: مطبع کارنامہ، فرنگی محل، ۱۲۹۶ھ)
۴۶۔ مالک رام،''تلامذۂ غالبؔ''، ص ۳۵۹
۴۷۔ ایضاً،ص ۲۸۴
۴۸۔ بہادر شاہ ظفر،''کلیاتِ ظفر''، جلد اوّل، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۵
۴۹۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۶۷۶
۵۰۔ ایضاً،ص ۷۰۹
۵۱۔ ایضاً، جلد سوم، ص ۵
۵۲۔ محمد خصلت حسین صابری (مرتب)،''عرفانِ عزیز''، (بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۴۵ء)، ص ۲۸۴
۵۳۔ ایضاً،ص ۳۴

۵۴۔ ایضاً،ص ۴۳

۵۵۔ ایضاً،ص ۴۷

۵۶۔ ایضاً،ص ۴۷

۵۷۔ ایضاً،ص ۹۸

۵۸۔ سیّد غلام حسنین قدرؔ بلگرامی، ''کلیاتِ قدرؔ''، (آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۸۹۱ء)،ص ۱۰۰

۵۹۔ ایضاً،ص ۳۲۲

۶۰۔ مالک رام، ''تلامذۂ غالبؔ''،ص ۵۶۴

۶۱۔ حکیم غلام مولیٰ قلقؔ، ''کلیاتِ قلقؔ''، مرتبہ: کلب علی خان فائقؔ، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء)،ص ۴

۶۲۔ ایضاً،ص ۵

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ ایضاً،ص ۶

۶۵۔ ایضاً،ص ۲۵۸

۶۶۔ میر مہدی مجروح، ''مظہرِ معانی''، مرتبہ: ریاض احمد، (لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۸۷ء)،ص ۱۱، ۱۲

۶۷۔ ایضاً،ص ۱۴

۶۸۔ ایضاً،ص ۶۲

۶۹۔ ایضاً،ص ۳۵

۷۰۔ ایضاً،ص ۶۸

۷۱۔ ایضاً،ص ۲۶۳، ۲۶۴

۷۲۔ ایضاً،ص ۹۷

۷۳۔ ایضاً،ص ۱۱۸، ۱۱۹

۷۴۔ ایضاً،ص ۱۶۷

۷۵۔ ایضاً،ص ۲۵۴

۷۶۔ ایضاً

۷۷۔ ایضاً،ص ۲۶۷

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ ایضاً،ص ۱۲۰

۸۰۔ ایضاً،ص ۱۱۹

۸۱۔ ایضاً،ص ۱۶۷

۸۲۔ عبدالغفور نساخؔ، ''سخنِ شعرا''، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء)،ص ۴۲۶

۸۳۔ محمد عبداللہ خاں ضیغمؔ، ''یادگارِ ضیغمؔ''، (حیدرآباد دکن: مطبع گلزار، ۱۸۸۵ء)،ص ۳۸۷

۸۴۔ لالہ سری رام، ''خم خانۂ جاوید''، جلد ششم، مرتبہ خورشید احمد خان یوسفی، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء)،ص ۱۸۱-۱۸۲

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۸۵۔ ڈاکٹر ذکیہ جیلانی (مرتب)، ''کلیاتِ ناظم''، (علی گڑھ: لیتھوکلر پرنٹرس، ۱۹۸۵ء)، ص۱۱۹

۸۶۔ ایضاً، ص۱۲۰

۸۷۔ نواب محمد مردان علی خان مرادآبادی، ''مہرِ نبوت''، (لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۸ء)، ص۹، بار دوم

۸۸۔ ایضاً، ص۱۰

۸۹۔ ایضاً، ص۱۴

۹۰۔ ایضاً، ص۱۸

۹۱۔ ایضاً، ص۲۳

۹۲۔ ایضاً، ص۲۴

۹۳۔ ایضاً، ص۲۶

۹۴۔ امّو جان ولیؔ، ''رباعیاتِ عجائباتِ امّو جان ولیؔ''، (دہلی: تحفۂ ہند پریس، ۱۹۰۲ء)، ص۱

۹۵۔ ایضاً، ص۲

۹۶۔ ایضاً، ص۳

ماخذ

۱۔ بلگرامی، غلام حسنین قدرؔ، سیّد، ''کلیاتِ قدرؔ''، آگرہ: مطبع مفیدِ عام، ۱۸۹۱ء

۲۔ بلگرامی، صفیر، ''خم خانہ'' (دیوان)، لکھنؤ: مطبع کارنامہ فرنگی محل، ۱۲۹۶ھ

۳۔ دہلوی، محمد فخر الدین حسین سخنؔ، ''دیوانِ سخنؔ''، لکھنؤ: مطبع نول کشور، س ن

۴۔ دہلوی، قمر الدین راقمؔ، خواجہ، ''کلیاتِ راقمؔ''، دہلی: افضل المطابع، ۱۹۰۱ء

۵۔ ــــــــــ، ''مرقعِ نعت''، حیدرآباد دکن: نظام المطابع، س ن

۶۔ دہلوی، محمد زکریا خان زکیؔ، ''دیوانِ زکیؔ''، دہلی: مطبع رضوی، س ن

۷۔ رام، مالک، ''تلامذۂ غالبؔ''، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۱۴ء، بارِ دوم

۸۔ جیلانی، ذکیہ، ڈاکٹر (مرتب)، ''کلیاتِ ناظمؔ''، علی گڑھ: لیتھوکلر پرنٹرس، ۱۹۸۵ء

۹۔ حالی، الطاف حسین، ''دیوانِ حالیؔ''، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۸۷ء

۱۰۔ ــــــــــ، ''مسدسِ حالیؔ''، لاہور: رابعہ بک ہاؤس، س ن

۱۱۔ سالک، قربان علی بیگ، ''کلیاتِ سالکؔ''، مرتبہ: کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۶۶ء

۱۲۔ سری رام، لالہ، ''خم خانۂ جاوید''، جلد اوّل، دہلی: مخزن پریس، ۱۹۰۸ء

۱۳۔ ــــــــــ، ــــــــــ، جلد دوم، دہلی: امپیریل بک ڈپو پریس، ۱۹۱۱ء

۱۴۔ ــــــــــ، ــــــــــ، جلد سوم، دہلی: دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء

۱۵۔ ــــــــــ، ــــــــــ، جلد چہارم، دہلی: ہمدرد پریس، ۱۹۲۶ء

۱۶۔ ــــــــــ، ــــــــــ، جلد ششم، مرتبہ یوسفی، خورشید احمد خان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء

۱۷۔ شیفتہؔ، غلام مصطفیٰ خان، ''کلیاتِ شیفتہؔ''، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۶۵ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۸۔ صابری، محمد خصلت حسین (مرتب)، ''عرفانِ عزیز''، بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۴۵ء

۱۹۔ ضیغمؔ، محمد عبداللہ خاں، ''یادگارِ ضیغمؔ''، حیدرآباد دکن: مطبع گلزار، ۱۸۸۵ء

۲۰۔ ظفر، بہادر شاہ، ''کلیاتِ ظفر''، (جلد اوّل)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء

۲۱۔ قادری، ایوب، ڈاکٹر، ''غالبؔ اور عصرِ غالبؔ''، کراچی: غضنفر اکیڈمی، ۱۹۸۲ء

۲۲۔ قلقؔ، غلام مولیٰ، حکیم، ''کلیاتِ قلقؔ''، مرتبہ: کلب علی خان فائق، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۶۶ء

۲۳۔ مجروحؔ، مہدی، میر، ''مظہرِ معانی''، مرتبہ: ریاض احمد، لاہور: مجلسِ ترقیٔ ادب، ۱۹۸۷ء

۲۴۔ مدنی، سیّد ظہیر الدین، ڈاکٹر، (مرتب)، ''میاں دادا خان، سیاح اور ان کا کلام''، حیدرآباد دکن: ادارۂ ادبیاتِ اردو، ۱۹۵۷ء

۲۵۔ مرادآبادی، محمد حسین تمناؔ، مولوی، ''قصائدِ تمناؔ''، مطبع منشی، ہرنام سروپ، س ن

۲۶۔ مرادآبادی، محمد مردان علی خان، نواب، ''مہرِ نبوت''، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۸۸ء، باردوم

۲۷۔ نساخؔ، عبدالغفور، ''سخنِ شعرا''، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء

۲۸۔ ولیؔ، امّو جان، ''رباعیاتِ عجائباتِ امّو جان ولی''، دہلی: تحفۂ ہند پریس، ۱۹۰۲ء

رسائل و جرائد

۱۔ اردوئے معلّٰی، شمارۂ اوّل، غالب نمبر، دہلی یونی ورسٹی، ۱۹۶۰ء